آسمان سے جو پانی محمد رسول اللہ ﷺ پر اترا وہ آج جماعت احمدیہ کی روحانی زندگی میں اپنی نشوونما دکھا رہا ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ 13 / ستمبر 1996ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ کی تلاوت کی:

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ
نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ
الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ
عَلَيْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ
تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۵
(یونس:25)

پھر فرمایا:

یہ سورۃ یونس کی پچیسویں آیت ہے جس کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ زندگی کی ناپائیداری سے متعلق قرآن کریم میں اور بھی بہت سی آیات ہیں جن کا انسانی زندگی کی ناپائیداری سے اور پھر اچانک خدا کے حضور جوابدہی کی حالت میں حاضر ہونے سے تعلق ہے۔ یہ وہ آیت ہے جس کا زندگی کے ہر شعبے سے تعلق ہے، زندگی کی ہر قسم سے تعلق ہے اور اس عالم میں جو کچھ بھی ہے اس کی بے ثباتی کا ذکر ہے اور اچانک خدا کی تقدیر جب نازل ہوتی ہے تو پھر وہ لوگ جو صاحب فکر ہیں

وہ جانتے ہیں کہ ان کے لئے پھر کوئی چارہ نہیں رہے گا کچھ بھی، خدا کی تقدیر کے سامنے اس سے بچنے کی، اس سے بچ نکلنے کی کوئی راہ بھی نہ وہ سوچ سکتے ہیں، نہ ان میں طاقت ہے کہ وہ کچھ کرسکیں اور ساری کائنات یہی منظر پیش کر رہی ہے۔

چنانچہ فرمایا اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ کہ انسانی زندگی کو اس کی ناپائیداری سکھانے کے لئے مادی دنیا میں جو زندگی کا آغاز ہے اس کی طرف متوجہ فرمایا ہے یعنی نباتات کی طرف اور یہ جو آیت ہے یہ فصاحت و بلاغت کا ایک ایسا حسین مرقع ہے کہ جتنا اس پر غور کریں اتنا ہی طبیعت اس کی شان وشوکت کے سامنے سرنگوں ہوتی چلی جاتی ہے۔ دنیا کی زندگی کی مثال اس پانی کی طرح ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا اور دنیا میں روحانی زندگی کی بناء بھی پانی ہی پر ہے اور جسمانی زندگی کی بناء بھی پانی ہی پر ہے۔ اسی لئے جب قرآن فرماتا ہے وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً کہ ہم نے آسمان کو بِنَآءً بنایا تو بعض مفسرین مشکل میں پڑ جاتے ہیں کہ بناء تو نیچے ہوتی ہے۔ زمین کو بچھونا بنادیا اور آسمان کو بنیاد بنادیا۔ آسمان کیسے بنیاد بن گیا؟ تو اس کا ترجمہ پھر عمارت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ایک ایسی عمارت ہے جیسا کہ ستارے ایک خاص قسم کی شکل میں ڈھلے ہوئے ہیں اور بناء سے مراد آسمان پر بھی ایک عمارت کی بناء رکھی ہے۔

میں نے جو ترجمہ کیا اس میں بناء کو بناء ہی رکھا مگر بریکٹ میں ''زندگی کی بناء'' لفظ ''زندگی'' داخل کر دیا جس سے سارا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ پانی ہی پر زندگی کی بناء ہے جو آسمان سے اترتا ہے اور الہام پر زندگی کی بناء ہے جو آسمان سے اترتا ہے تو بناء سے مراد زندگی کی بناء ہے۔ زمین کو بچھونا بنادیا یعنی ہموار کر دیا ورنہ جو پانی آسمان سے اترتا ہے یہ کبھی نہ ٹھہر سکتا۔ زمین میں ایسی صلاحیتیں پیدا کیں کہ اس کو اپنے اندر جذب کرے اور اس کو کچھ دیر رکھے اس کے نتیجہ میں پھر نباتات کی نشوونما ہوتی ہے۔ چنانچہ جہاں پہاڑوں پر بھی نشوونما ہوتی ہے وہاں پتھر روک بنتے ہیں کچھ تب جا کر زندگی پھولتی پھلتی ہے مگر انسانی زندگی کے لئے تو تمدن کی ترقی مقصود تھی وہ پہاڑی زندگی سے وابستہ نہیں ہوسکتی لازم تھا کہ زمین کو بچھونا بنا کر زندگی کو نشوونما کے لئے مزید مواقع مہیا کئے جائیں۔

پس حَيٰوةِ الدُّنْيَا کی مثال پانی ہی سی ہے اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ جسے ہم نے آسمان سے اتارا فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ اس کے ساتھ پھر زمین کی نباتات مل جل گئیں۔ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ

اب اس میں یہ نہیں فرمایا کہ نباتات محض پانی سے پیدا ہوئی ہیں۔ نباتات کی بنیاد پہلے رکھی جا چکی تھی۔ نباتات کا بیج موجود تھا اور اگر کہیں بیج نہ ہو تو پانی کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ جتنا چاہے پانی اترے اگر وہ صَلۡدًا پر اترتا ہے چٹیل چٹان پر اترتا ہے اسے زندگی نہیں بخش سکتا اور یہی حال آسمانی پانی کا بھی ہے۔ اگر فطرت میں نیکی کا بیج ہوگا تو پھر آسمان کا پانی فائدہ دے گا، اگر نیکی کا بیج نہیں ہوگا تو وہ اسی طرح بنجر کا بنجر رہے گا پانی خواہ لاکھ اس پر اترے اسے کوئی زندگی نہیں بخش سکتا۔ پس زندگی کی گہری حقیقتیں اس آیت میں بیان ہوئی ہیں اور جتنا ان پر غور کریں اتنا ہی ان امور کو جب سب ایک آیت میں سمیٹے گئے ہیں قوانین قدرت کے مطابق ہی نہیں بلکہ قوانین قدرت کے گہرے راز بیان کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ مِمَّا يَأۡكُلُ النَّاسُ وَالۡاَنۡعَامُ پھر اسی ابتدائی زندگی کی شکل سے بلند درجے کی زندگی استفادہ کرتی ہے اور تھوڑی ادنیٰ زندگی اس بالاشعور کو پیدا کر دیتی ہے جو انعام میں دکھائی دیتا ہے اور پھر ان سے بڑھ کر انسانوں میں اور آخری نتیجہ یہ ہے کہ انسان کی بناء آسمان پر ہے اس کی زندگی کی بناء اس آسمان پر ہے۔ جو پانی اترتا ہے وہ کئی مراحل سے گزرتے ہوئے اس کی نشوونما کا سامان کرتا ہے پہلے نباتات اور پھر حیوانات۔ اگر نباتات نہ ہوں تو براہ راست پانی سے حیوانات زندگی نہیں پا سکتے اور اگر نباتات ہوں اور حیوانات ہوں تو انسان اوّل تو بن ہی نہیں سکتا کیونکہ اس کی اعلیٰ درجے کی ایک صورت ہے اور دوسرے حیوانات کو انسانی زندگی سے نکال دیں تو انسانی زندگی کے محض نباتات پر نہیں پل سکتی۔ ایک بیچ کا درجہ ہے جو نباتات کو پروٹینز میں بدلنے کے لئے اور اعلیٰ درجے کی زندگی کی غذائیں بنانے کے لئے حیوانات کی صورت میں بیچ میں داخل فرمایا گیا ہے۔

فرماتا ہے یہ ہے تمہاری زندگی کی حقیقت۔ پھر اس میں سے انسان بھی کھاتے ہیں اور حیوان بھی کھاتے ہیں۔ اب نباتات میں سے پہلے انسانوں کے کھانے کا فرمایا ہے کیونکہ اصل مقصود انسان ہی ہے اور جو آسمانی پانی ہے اس کی غذا تو خالصۃً انسان ہی کے کام آتی ہے اس لئے اوّلیت انسان کو دی ہے حالانکہ حیوانات کو ایک پہلے نچلے درجے کے طور پر قرآن کریم پیش فرماتا ہے۔ مگر جہاں تک مقصود ہے جہاں تک اس کائنات کے نقشے کی آخری غرض و غایت ہے وہ چونکہ انسان کی پیدائش ہے اور اس کا اللہ سے تعلق قائم کرنا ہے اس لئے جہاں غرض کا بیان ہوا ہے وہاں انسان کو پہلے رکھ دیا۔ اس میں سے انسان بھی کھاتے ہیں اور حیوان بھی۔ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَهَا وَازَّيَّنَتۡ یہاں تک کہ جب زمین کی جو سبزی ہے وہ پر رونق ہو جاتی ہے اور زینت اختیار کر جائے اس میں خوبصورتی پیدا ہو جاتی ہے۔ وَظَنَّ اَهۡلُهَاۤ اَنَّهُمۡ قٰدِرُوۡنَ

عَلَيْهَآ اور زمین کے بسنے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ اب وہ اس پر قدرت پا گئے ہیں وہ چیز ان کی ہوگئی ہے اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا ہماری تقدیر نازل ہوتی ہے کبھی رات کے وقت، کبھی دن کے وقت یا رات کو یا دن کو فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ اس طرح وہ کٹا ہوا جیسے فصل برباد ہوجائے اور کٹنے کے بعد خشک اور بھوسہ بن جائے اس کی مثال دی گئی ہے فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا ایسی کٹ کے برباد ہوجاتی ہے کہ جیسے کل بھی نہیں تھی۔ جو لمبی نشوونما کا دور ہے اس کی طرف تو دھیان دور کی بات ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ کل بھی یہ نہیں تھی کچھ بھی نہیں اس کا رہا باقی۔ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ اسی طرح ہم ان لوگوں کے لئے جو غور کرنے کی عادت رکھتے ہیں اپنی آیات کھول کھول کر اور پھیر پھیر کر بیان فرماتے ہیں۔ نُفَصِّلُ میں تفصیل ہے اور دوسری جگہ قرآن کریم تصریف کا لفظ استعمال فرماتا ہے تو وہ تصریف براہ راست یہاں مذکور نہیں چونکہ اس مضمون کو تصریف کے حوالے سے بھی قرآن پیش فرما چکا ہے اور وہ بھی تفصیل کا ایک حصہ ہوتی ہے اس لئے میں نے معناً وہ ترجمہ کیا ہے ورنہ لفظاً وہ موجود نہیں ہے، لفظاً صرف اتنا ہے کہ اسی طرح ہم آیات کو خوب کھول کھول کر اور قابل فہم بنا بنا کر تمہیں دکھاتے ہیں۔

اس سارے مضمون کا آخری مقصد کیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل فکر کے لئے اس میں کون سی نشانیاں ہیں۔ وہ کون ہیں جو فکر کر کے اس سے کچھ ایسی حقیقتیں پا جاتے ہیں جو ان کے لئے دین اور دنیا میں فائدہ مند ثابت ہوں۔ اس کے بہت سے پہلو ہیں جن کو آنحضرت ﷺ نے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپؐ سے فیض پاتے ہوئے خوب کھول کھول کر ہمارے سامنے بیان فرمایا۔ پس وہ آیات جو کھول کھول کر مضمون کو بیان کرتی ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر کس و ناکس ان سے گزرتے ہوئے فوراً ان کے مطالب کی تہہ تک اتر جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جن کو خدا تعالیٰ نے عرفان کی طاقت بخشی ہو یعنی آنحضرت ﷺ جن پر ان آیات کا نزول ہوا اور وہ جنہوں نے آنحضورؐ سے فیض پایا ہو، ان کو یہ باتیں کھلی کھلی دکھائی دیتی ہیں اور اگر مخفی آنکھ سے، غفلت کی نظر سے آپ دیکھیں گے تو ان کھلی کھلی باتوں میں بھی آپ کو کچھ دکھائی نہیں دے گا۔ ایک منظر کشی ہے بس اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہ کبھی فصلیں برباد ہوجایا کرتی ہیں۔

مگر قرآن کریم یہاں انسان کی زندگی کی بے اعتمادی، اس کی بے ثباتی کا منظر پیش کر کے

یہ فرماتا ہے کہ تمہارے اختیار میں آخر تک بھی دراصل کچھ نہیں ہے جب تک کہ تقدیر الٰہی تمہیں اجازت نہ دے اور تقدیر الٰہی اور اس کے منشاء کے بغیر تم اس تمام نظام کائنات سے یا نظام ربوبیت سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ پس آخری لمحے تک یہ خدا کا فضل ہے جو تمہارے لئے ربوبیت کے سامان کو مہیا فرماتا ہے اور تمہیں طاقت بخشتا ہے، توفیق دیتا ہے کہ اس ربوبیت کے سامان سے فائدہ اٹھا سکو۔ اس بے ثباتی کا تعلق زندگی کے دونوں پہلوؤں سے ہے مادی پہلو سے بھی انسان بہت کچھ بناتا ہے سوچتا ہے کہ میں اس سے یہ کروں گا وہ کروں گا مگر یہاں اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ (النحل:2) ان معنوں میں آتا ہے کہ جب وہ سمجھتا ہے کہ سب کچھ بن گیا اور میرے قبضہ قدرت میں آ گیا تو بعض دفعہ زندگی کے آخری لمحے اس کے لئے وہ حسرتیں لے کے آتے ہیں اس کا کچھ بھی نہیں ہوا ہوتا۔ آئے دن ایسی خبریں ملتی ہیں کہ دنیا کی دولتوں کے پیچھے پڑنے والے بڑے بڑے دھوکے دے کر، بڑے بڑے مال کما بیٹھے، اپنی مال و دولت کی سلطنتیں بنا لیں، آج کے اخبار میں بھی ایسے بعض اشخاص کا ذکر موجود ہے لیکن جو کچھ بنایا مرنے سے پہلے وہ حسرتوں میں تبدیل ہو گیا، سب کچھ ہاتھ سے جاتا رہا اور سزا اور پکڑ کے سوا ان کے لئے کچھ باقی نہ رہا۔ ایسے واقعات انگلستان میں بھی، امریکہ میں بھی آئے دن منظر عام پر ابھرتے رہتے ہیں۔ ہیں بہت زیادہ مگر ابھی دکھائی کم دے رہے ہیں لیکن ہوتا یہی ہے۔ تقریباً ہر انسان کی زندگی کا تجربہ اسے بتاتا ہے کہ جن چیزوں پر بناء کر کے وہ توقع رکھتا ہے کہ ایک میرا بہت ہی شاندار مستقبل ہوگا طمانیت سے لبریز لذّتوں سے بھرپور، وہ بسا اوقات ایسے دکھوں میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ جو کچھ اس نے کمایا تھا اس کے لئے طمانیت کا اور لذّت کا موجب نہیں بنتا بلکہ سب کچھ بے کار چلا جاتا ہے۔

یہ جو دنیا کی بے ثباتی ہے اس کا مذہب سے بھی ایک تعلق ہے اور بہت گہرا تعلق ہے۔ آنحضرت ﷺ ایک دعا کیا کرتے تھے۔ آپؐ کی ایک زوجہ مطہرہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ یہ دعا کیوں کرتے ہیں کہ اے خدا مجھے ہدایت پر ثبات بخشنا جو سچائی ہے اس پر ثبات بخشنا۔ اب آنحضرت ﷺ جو تمام دنیا کے لئے ثبات کا نمونہ تھے، آپؐ کے عجز و انکساری کا یہ عالم ہے خدا سے دعائیں کرتے ہیں کہ اے خدا مجھے ثبات بخشنا کیونکہ اس راز کو جو ان آیات میں بیان ہوا ہے آپؐ سے زیادہ کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ جب سوال کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو دل خدا کی دو انگلیوں میں ہیں

جب چاہے ان کو یوں پلٹ دے، جب چاہے انہیں یوں پلٹ دے کسی انسان کی کسی چیز کا بھی کوئی اختیار ایسا نہیں کہ وہ اس پر حقیقی ملکیت رکھتا ہو، حقیقی مالک صرف اللہ ہے۔ تو آنحضرت ﷺ اس بلندی مرتبہ کے باوجود جہاں آپؐ کو آخرت کی سب سے بڑی بادشاہی عطا فرمائے گا، وعدہ فرمادیا گیا، تمام انبیاءؑ پر آپؐ کو ایک فوقیت بخشی گئی جو سب انبیاءؑ کے سردار کے طور پر آپؐ کو بعثت ثانیہ، دوسری دنیا میں یعنی اخروی زندگی میں ایسے وعدے فرمائے گئے جن کا ٹلنا ناممکن ہے لیکن اس کے باوجود اپنا وہ مقام آپؐ نے نہیں چھوڑا کہ سب کچھ، جو کچھ بھی ہے اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے۔ وہ جب اپنے فضل کو مجھ سے اٹھانا چاہے کوئی اس کا ہاتھ نہیں روک سکتا اور جس دل کی یہ قدردانی ہو رہی ہے وہ دل بھی تو اسی نے بخشا اور اسی کی طاقت اور اسی کی غلامی میں ہے جب وہ دل بدل دے تو کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ بہت بڑے بڑے نیک انسان بعض دفعہ زندگی کے آخری لمحوں میں پکے کافر اور مرتد اور ناشکرے ہو کے مرتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض لوگ زندگی ضائع کر دیتے ہیں گناہوں اور بدیوں میں لیکن ان کا انجام ایسے حال میں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل کو یک دم پلٹتا ہے اور وہ دل کا پلٹنا ان کی کائنات میں ایک انقلاب برپا کر دیتا ہے، ایسا انقلاب برپا ہوتا ہے کہ ساری پرانی بدیوں کو وہ انقلاب کھا جاتا ہے، کالعدم کر دیتا ہے گویا ایک قیامت صغریٰ ہے جو ان کی ذات میں برپا ہوتی ہے۔ پہلے سب اعمال، پہلی ساری زندگی مر کے مٹ جاتی ہے اور ایک نیا وجود ابھرتا ہے۔ تو دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ جو اس آیت میں کھینچا گیا ہے وہ بہت ہی اہم ہے ہمارے لئے اپنے اعمال کی جانچ کی غرض سے اور یہ شعور پیدا کرنے کے لئے کہ اس چندروزہ زندگی کے لئے ہم کیوں خواہ مخواہ دنیا میں لوگوں پر ظلم کریں، کسی کے مال چھینیں، کسی کا مال غصب کریں، کسی پر تکبر کے رنگ میں اپنی دولت کی برتری اور اپنی امارت اور اپنی حکومت کی برتری جتائیں اور اسی فخر کی حالت میں مرجائیں اور ایسی حالت میں مریں کہ جب بھی مریں گویا کل کچھ بھی نہیں تھا۔

یہ جو آیت ہے گویا کل کچھ بھی نہیں تھا یہ ہر مرنے والے پر صادق آتی ہے۔ جو کچھ بھی وہ کر چکا ہو، جو کچھ بھی کما بیٹھا ہو، جب موت کی ساعت آتی ہے تو یہ جو قرآن کریم کا بیان ہے اس پر بعینہٖ صادق آتا ہے۔ اس کی سوچ اس وقت اسے بتاتی ہے کہ ہیں یہ تو یوں ہاتھ سے نکل گیا گویا کل تک، کل بھی کچھ نہیں تھا، کچھ بھی ہمارا نہیں تھا۔

؎ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا (خواجہ میر درد)

درد کا یہ مصرعہ میں پہلے بھی بارہا پڑھ چکا ہوں کیونکہ بہت عارفانہ بات ہے۔ مرتے وقت انسان کو محسوس ہوتا ہے کہ خواب ہی تھی کچھ بھی نہیں تھی تو اس دنیا کے لئے اتنی جان مارنا کہ بنی نوع انسان پر ظلم کرنا بہانے بنا بنا کر، ملک گیری کی ہوس کو پورا کرنا، مظلوم قوموں کو دبانا اور طاقت کے نشے میں اپنے اردگرد اپنے ماحول کے حقوق کو بھی غصب کرتے چلے جانا، دولت کمائی ہے تو اتنی کماتے چلے جانا کہ ایک دنیا غریب ہو جائے آپ کی دولت کی وجہ سے آپ کو کوئی پرواہ نہ ہو اور آپ اس کو اکٹھے رکھتے چلے جائیں، ایک جگہ جمع کرتے چلے جائیں جو بنی نوع انسان کے فائدے میں کام نہ آئے یہ ساری انسانی زندگی کا خلاصہ ہے۔

آج کی دنیا میں جتنی تباہیاں ہیں وہ اسی وجہ سے ہیں حکومتوں کے رویے کو دیکھیں انسانوں کے رویے کو دیکھیں۔ قرآن کریم دولت کمانے کو منع نہیں فرماتا کیونکہ یہ سارا مضمون خاک سے زندگی پیدا کرنے کا اور اس کی نشوونما کا مضمون ہے خدا کیسے کہہ سکتا ہے کہ تم بھی بڑھنے کی تمنا سے ہاتھ دھو بیٹھو یا دل سے نکال بیٹھو اور جہاں ہو وہیں کھڑے ہو کر جامد ہو جاؤ۔ ہرگز اللہ تعالیٰ یہ تعلیم نہیں دیتا مگر یہ وہ مضمون ہے جو جاری اور ساری ہے۔ آسمان سے پانی اترتا ہے اپنے آپ کو مٹی میں ملا دیتا ہے نئی زندگی کی صورت میں ابھرتا ہے اور سب کچھ ہونے کے بعد پھر وہ دوبارہ آسمان پر چڑھتا ہے اور پھر اسی سفر کو از سرنو دوبارہ شروع کرتا ہے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرہ:4) کا ایک ایسا خوب صورت نظارہ ہے کہ جس کے بغیر زندگی قائم رہ ہی نہیں سکتی۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ جو مثال دی ہے پانی کی اس میں یہ بھی سبق دے دیا کہ اگر تم خدا کی راہ میں خرچ کرو گے اور اعلیٰ مقاصد کی خاطر اپنی طاقتوں کو استعمال کرو گے تو یاد رکھو کہ یہ کبھی ضائع نہیں جائیں گی بار بار دوبارہ تمہارے ہی کام آئیں گی۔ وہ پانی پھر آخر تم پر نازل کیا جائے گا جو تمہارے ہاتھ سے ایک دفعہ نکل جاتا ہے مگر دوسروں کو زندگی بخشتے ہوئے جائے گا۔ ایک لامتناہی سلسلہ ہے فیوض کا جو جاری کرنے کے بعد پھر وہ پانی پلٹا کرتا ہے اور اگر ایک جگہ جمع ہو جائے، ایک حوض میں بند ہو جائے تو سوائے تعفن کے وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتا اور ایسا زہریلا ہو جاتا ہے پھر کہ اس میں زندگی بھی نہیں پنپ سکتی۔ پس یہ کائنات کا نقشہ کہ آسمان سے پانی کا اترنا اور پھر بہتے چلے جانا، تمام فیوض بخش دینا اور پھر جو کچھ بھی اس نے کیا اس کے فائدے سے آخر وقت تک اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی

استفادہ نہیں کرسکتا اس کو اگر انسان پیش نظر رکھے تو دنیا میں اس کے رہنے کے سلیقے بدل جائیں، اس کے آداب تبدیل ہو جائیں، اس کی سوچیں مختلف رستوں پر چلیں گی پھر۔ پھر وہ دنیا میں ایسا رہے گا کہ وہ بنی نوع انسان کے لئے فائدہ دے گا اور ہر حال میں ہمیشہ اٹھنے کی تیاری رکھے گا۔

ایسا شخص جس کو یہ نہ پتا ہو کہ میرا کوچ کا حکم کب آتا ہے اس کو ہمیشہ تیار رہنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ایک بات میں نے آپ کے سامنے پہلے بھی بیان کی تھی وہ لاعلم آدمی تھے مگر بہت ہی باطنی طور پر خدا تعالیٰ کی طرف سے علم یافتہ تھے۔ بہت ذہین اور عالم اور منصف مزاج سکھ بادشاہ تھے۔ وہ ایک دفعہ پگڑی باندھ رہے تھے بہت بڑی پگڑی باندھتے تھے تو کسی حواری نے ان سے سوال کیا کہ آپ جو اتنا لمبا کام کر رہے ہیں غالباً وہ ان کے مسلمان مرید تھے۔ ان کی طرف سے سوال تھا کہ اتنی لمبی جو پگڑی باندھتے ہیں اگر اچانک پتا چلے کہ فلاں جگہ یہ واقعہ ہو گیا تو کیا کریں گے آپ، پگڑی باندھتے باندھتے بڑا وقت لگتا ہے۔ تو اپنی تلوار سے جو ساتھ ہی تھی یوں پگڑی کاٹ کے کہا کہ میں یوں کروں گا کہ جہاں وقت آیا وہیں پگڑی ختم اور جو ضرورت کی آواز ہے اس کی طرف متوجہ ہو جاؤں گا تو ہمہ وقت تیار رہنے کا جو مضمون ہے وہ اس مثال سے بھی نظر آتا ہے۔ کاروبار تو اب ہمیشہ انسانی زندگی سے آگے بڑھے ہوتے ہیں۔

؎ سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں (حیرت الہ آبادی)

مگر وہ لوگ جو صاحب عرفان ہوں وہ ان سامانوں پر بھروسہ نہیں کرتے اپنی زندگی پر بھروسہ نہیں کرتے ذہنی طور پر تیار رہتے ہیں کہ جہاں بھی وقت ختم ہوا پگڑی بھی وہیں ختم ہو جائے گی اور پھر اس کو آگے نہیں بڑھنے دیا جائے گا۔ ایسی تیاری کی حالت میں انسان زندگی بسر کرے تو وہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ کامیاب ہوتا ہے اور جب بھی مرے وہ اپنے حساب کے لئے تیار رہتا ہے۔ جو لوگ غفلت کی حالت میں اس مضمون سے لاعلمی کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں ان کا حساب تیار ہی نہیں ہوتا کبھی۔ بعض لوگوں سے آپ پوچھیں وہ ہر وقت ذہنی طور پر تیار رہتے ہیں اپنے کاروبار میں وہ سمیٹے رکھتے ہیں کاموں کو اور جو کام آگے آنے والے ہیں ان کے متعلق وہ بعض دفعہ ہدایتیں چھوڑتے جاتے ہیں تا کہ کسی وقت بھی بلاوا آئے تو پچھلوں کو تکلیف کا سامنا نہ ہو، جو کچھ حساب ہے صاف ہے، سب کو پتا ہو کہ کیا میں چاہتا تھا، کیا کرنا ہے لیکن جو لوگ غافل ہیں نہ وہ اپنی دنیا کے کاروبار کو سنبھال سکتے ہیں کیونکہ جب بھی خدا کی طرف

اچانک وقت آتا ہے تو ان کا کیا کرایا سب بھوسہ بن جاتا ہے اور نہ آخرت کے لئے تیار رہتے ہیں اور آخرت میں جب حاضری کا وقت آتا ہے تو بے سروسامان بغیر کسی تیاری کے اسی طرح حاضر ہو جاتے ہیں تبھی آنحضرت ﷺ نے ذہنی طور پر تیاری کا حکم دیا۔

ایک شخص نے قیامت کے متعلق عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ! قیامت کب ہوگی ؟ آپؐ نے فرمایا پوچھتے ہو، تیاری بھی کی ہے؟ اگر ہو بھی اور تیاری نہیں کی تو تمہیں اس سے کیا کب ہوگی۔ چھوٹی سی بات میں دیکھیں کتنی عظیم نصیحت فرما دی ہے۔ قیامت ہوگی ضرور۔ کب کا سوال تب ہوا گر تم تیار رہو کیونکہ تمہاری قیامت آج بھی آسکتی ہے، ہر لمحہ آسکتی ہے اور تیاری سے مراد ہے کہ ہر لمحہ تیار رہو اگر ہر لمحہ تیار ہو تو پھر پوچھو بے شک کہ کب ہوگی۔ وہ اب ہوگی یا کل ہوگی تم ہر حالت میں مطمئن رہو کہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ تم نجات یافتہ حالت میں دنیا سے رخصت ہو گے لیکن اگر تیاری کوئی نہیں کی ہوئی تو پھر کیا فائدہ؟ پس جماعت کو ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ہمارے بہت سے الجھے ہوئے اخلاقی معاملات اس شعور کی کمی کی وجہ سے ہیں کہ ہم دنیا میں گویا آکر ٹھہر جانے کے لئے آئے ہیں۔

تمام دنیا کی حکمتوں کی بدچلنیاں اور ظلم وستم اس احساس اور شعور کی کمی کی وجہ سے ہیں مگر دنیا کی حکومتوں کو تو بعض دفعہ یا حکومت والوں کو بعض دفعہ بار بار کی ٹھوکروں سے کچھ تجربہ ہو جاتا ہے کئی ایسے وزیر ہیں جو بے چارے اترنے کے بعد گلیوں میں چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں تو ان کا بے حیثیت ہونا، ان کا بے اختیار ہونا نہ صرف دکھائی دیتا ہے بلکہ باتوں میں بتاتے بھی ہیں کہ جی کل تک تو ہمارا یہ حال تھا آج ہمارا یہ حال ہے۔ ایک صاحب ایک دفعہ مجھے اسٹیشن پر ملے تھے اچھے معزز عہدوں پر فائز، ان سے میری گفتگو ہوئی میرے وہ احمدی دوست نہیں باہر کے کوئی تھے وہ کہتے کیا حال پوچھتے ہیں آپ پہلے بڑے بڑے سلام کیا کرتے تھے جھک کے اب ہمارا چپڑاسی بھی ملے تو نظر ادھر ادھر پھیر لیتا ہے کہ مجھے کوئی کام نہ بتا دیں۔ دنیا کی بے ثباتی کا کچھ ذاتی احساس بڑے لوگوں کو دنیا میں ہوتا رہتا ہے لیکن جو خدا تعالیٰ کے حضور اعمال پیش کرنے کا مضمون ہے اس میں بسا اوقات یہ احساس پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس وقت شعور آتا ہے جب کہ وقت ہاتھ سے گزر چکا ہے اور پھر آدمی کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

پس بے ثباتی کا مضمون آپ کے اعمال کی نگرانی کے لئے ضروری ہے لیکن اگر مرنے کے بعد جی اٹھنے کا مضمون ساتھ نہ ہو تو پھر بے ثباتی بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی بلکہ بعض بے ثباتی گناہ

بڑھانے کا موجب بن جاتی ہے۔اس صورت میں یہ مضمون پیدا ہوگا کہ

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

کہ تم عیش کر جاؤ جو کرنا ہے کیونکہ دوبارہ پھر اس عالم میں نہیں آنا۔تو ایک ہی مضمون ہے ایک حوالے کے ساتھ نیکی کی تعلیم دینے والا بن جاتا ہے ایک حوالے کے ساتھ بدی کی تعلیم دینے والا بن جاتا ہے۔ یہ دنیا میں جتنے بھی بدکردار لوگ یا حکومتیں ہیں ان کو یہ تو پتہ ہے کہ ہے بے ثباتی مگر مرنے کے بعد جی اٹھنے کا خیال نہیں ہے، مرنے کے بعد حساب دینے کا خیال نہیں ہے اس لئے ''بابر بہ عیش کوش'' کی آواز ان کے دل سے اٹھتی ہے۔عیش کر جاؤ پھر دوبارہ نہیں آنا دنیا میں ایک ہی دفعہ جو کچھ ہونا ہے ہو جانا ہے جتنے دن ہیں مزے میں اڑا دو۔

لیکن اگر بے ثباتی کو جی اٹھنے کے بعد حساب کتاب کے ساتھ باندھا جائے تو ناممکن ہے کہ انسان اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہو۔ ہر لحہ وہ متوجہ ہو جائے گا اور اگر یہ یقین ہو کہ کسی لحہ میں میں جا سکتا ہوں تو پھر تو اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد اپنے اعمال پہ نظر رکھنا ہوگا۔وہ یہ دیکھتا رہے گا کہ میں اب بھی تیار ہوں کہ نہیں، اب تیار ہوں کہ نہیں۔آج اگر اس وقت جان جائے تو کس حالت میں جان دوں گا۔پس وہ جماعت جس نے سب دنیا کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے جس کے سپرد خدا نے یہ ذمہ داری فرما دی ہے۔کچھ اس میں دیکھا ہے تو خدا نے یہ ذمہ داری سپرد فرمائی ہے ورنہ ہر کس و ناکس کو تو یہ توفیق نہیں ملی۔ بہت بڑی ذمہ داری ہے اور بہت ہی بڑا انعام ہے۔آسمان سے جو پانی محمد رسول اللہ ﷺ پر اترا وہ آج جماعت احمدیہ کی روحانی زندگی میں اپنی نشوونما دکھا رہا ہے اور سرسبزی دکھائی دے رہی ہے، طراوت دکھائی دے رہی ہے، ہر قسم کی زندگی کی شکلیں ابھر رہی ہیں لیکن اگر ہم اس بات کو بھلا دیں کہ ہم اس کے جوابدہ ہیں اور مستغنی ہو جائیں، یہ سمجھیں کہ گویا ہمارا حق تھا ہم پر یہی ہونا تھا تو کسی وقت بھی جان ایسی حالت میں نکل سکتی ہے کہ ہاتھ میں کچھ بھی نہ رہا ہو اور انفرادی طور پر لازم نہیں کہ ایک نیک جماعت میں شامل ہو کر ہر فرد برابر فائدہ اٹھا سکے بلکہ ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ جن پر جتنا بڑا انعام ہوا اتنا ہی بڑا نقصان اٹھا سکتے ہیں۔

تو اجتماعی زندگی میں یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو اپنے فضل سے بڑے مقاصد کے لئے چنا ہے یہ ایک بات ہے مگر یہ کہ ہر شخص محفوظ اور مامون ہے یہ بالکل اور بات ہے۔ ہرگز ہر

شخص مامون و محفوظ نہیں ہے۔ اگر کسی دماغ میں یہ وہم وگمان کا کیڑا اپنی پیدائش میں ہی کروٹ بدل رہا ہو یعنی ابھی پیدا بھی نہ ہوا ہو اور پیدائش کی حالت میں اس کا بیج بن رہا ہو تو ہمیشہ یادرکھے اس دعا کو جو رسول اللہ ﷺ اپنے لئے کیا کرتے تھے کہ اے خدا مجھے نیکی پر ثبات عطا فرما، مجھے ہدایت پر قائم رکھنا۔ تو آپ کی اس نیکی کی کیا ضمانت ہے؟ آپ کی تو کوئی حیثیت نہیں۔ آپ کی تو نیکی میں ایسی بدیاں لگی رہتی ہیں جو گھن کی طرح آپ کی نیکیوں کو کھاتی چلی جاتی ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کا یہی حال ہے، کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ تو اس کا بغیر دعا کے سہارے کے اور بغیر ہمیشہ اس بات پر مستعد رہنے کے کبھی نیک انجام نہیں ہوسکتا کہ وہ دیکھتا رہے کہ میرے اعمال اب کس رخ پر ہیں۔ کیا میرا رخ مسلسل ہدایت کی طرف آگے کی طرف ہے یا نہیں ہے اور دنیا سے میرا کتنا تعلق ہے۔

دنیا سے تعلق کے مضمون میں ہر چیز کا اپنا اپنا ایک امتحان ہے جو انسان کو درپیش رہتا ہے۔ کبھی عام طور پر انسان سوچتا بھی نہیں۔ بے ثباتی کا یہ مطلب نہیں کہ میں چلا جاؤں گا بے ثباتی کا تو یہ مطلب ہے کہ میرے تعلقات، میرے رشتے، میری کمائیاں مجھ سے چھٹ جائیں گی اور وہ بسا اوقات اس طرح بھی چھٹتی ہیں کہ آپ رہتے ہیں اور وہ چلی جاتی ہیں۔ کبھی آپ دولتیں چھوڑ کر مرجاتے ہیں کبھی دولتیں آپ کی زندگی میں آپ کو چھوڑ کر چلی جاتی ہیں۔ کبھی آپ اپنے پیاروں سے اچانک جدا ہو جاتے ہیں اور کبھی آپ کے پیارے آنکھوں کے سامنے آئے دن آخرت کا سفر کرنا شروع کر دیتے ہیں اور آپ کو کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ بعض لوگ بڑے دردناک خط لکھتے ہیں کہ ہم پر تو ابتلاؤں کا ایک دور آ گیا ہے کل فلاں فوت ہوا آج وہ فلاں فوت ہو گیا، اب فلاں کی بیماری کی خبر ملی ہے اور یہ سلسلہ جو ہے وہ ایک سال سے یا دو سال سے ہم پر ابتلاؤں کا جاری ہے۔ کبھی حادثات کا کوئی شکار ہو گیا تو مجھ سے پوچھتے ہیں ہم کیا کریں۔ ان کو میں یہی کہتا ہوں کہ انا للّٰہ جو ہے وہ صرف گنوانے کے مضمون میں نہ پڑھا کریں کہ ہاتھ سے چیز جاتی رہی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا انّہ للّٰہ جو مرنے والا ہے وہ اللہ کا تھا اس لئے چلا گیا یہ سکھایا اِنَّا لِلّٰهِ ہم اللہ کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کے جانے والے ہیں وَ اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ۔

تو ان کے لوٹنے کا غم کرنے کی بجائے اپنے لوٹنے کی فکر کیا کرو۔ یہ سوچا کرو کہ تم ایسی حالت میں تو نہیں لوٹو گے کہ خدا کے بنے بغیر چلے جاؤ واپس۔ جو مرنے والے تھے وہ تو اپنا حساب لے کر حاضر ہو گئے اگر ان کی خاطر تم واویلا کر کے خدا کو بھی ہاتھ سے گنوا بیٹھو تو اِنَّا لِلّٰهِ کیسے پڑھو گے اور اگر واویلا کرو گے تو وہ تو آ ہی نہیں سکتے، ناممکن

ہے، خدا جا سکتا ہے۔ تو یہ دوٹوک بات ہے اس کے سوا تمہارا چارہ ہی کوئی نہیں ہے۔ جو مرضی کرلو، سر پیٹتے رہو ساری عمر، چھاتیاں پیٹو مگر جانے والا واپس نہیں آئے گا تم ضرور جاؤ گے۔ ایسی حالت میں نہ جاؤ کہ جانے والا تمہیں وہاں بھی نہ ملے کیونکہ تم خدا کو گنوا بیٹھے ہو تو اس کے سوا اور کوئی حل ہی نہیں ہے اس کا۔ اگر اس مضمون پر انسان غور کرے تو تکلیف ہوتی ہے مگر تکلیف پر اس کا ردعمل ایک مثبت ردعمل ہوگا وہ ضائع نہیں ہوسکتا بلکہ ہر ایسی تکلیف جس کو خدا کی خاطر وہ برداشت کرتا ہے اس کے لئے بھی جزائے خیر پر منتج ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اس کے کئی گناہ جھاڑ دیتا ہے، کئی گناہوں کی پردہ پوشی فرماتا ہے کئی ایک سے اعراض فرما دیتا ہے اور پھر اصلاح فرما دیتا ہے اس کی۔

یہ بہت سے فوائد ہیں جو کسی کھوئی ہوئی چیز کے وقت جو ردعمل انسان میں پیدا ہوتا ہے اس سے وابستہ ہوتے ہیں اور اگر صحیح ردعمل نہ ہو تو جو کچھ ہے وہ بھی گیا۔ جو کچھ تھا وہ تو جا چکا، جو کچھ ہے وہ بھی جاتا رہے گا اور رونے پیٹنے کے سوا زندگی اور کسی کام نہیں آئے گی اور مرنے کے بعد اور بھی زیادہ رونا پیٹنا ہے۔ بڑا ہی بے وقوف ہے جو دنیا کی بے ثباتی کے مضمون کو نہیں سمجھتا۔ دو چار اوپر تلے چلے گئے تو کیا دو چار دس ہزار سال میں نکل گئے تو کیا۔ یہ قطعی بات ہے کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ہم اللہ ہی کے ہیں اسی کی طرف ہم نے جانا ہے آج نہیں گئے تو کل گئے اس لئے دوسروں کی فکر کی بجائے جب کوئی مرے اپنی فکر کیا کرو۔ یہ ہے بے ثباتی کا مضمون جو اِنَّا لِلّٰهِ نے ہمیں سکھلا دیا اور لوگ ان کی فکر کرتے ہیں اپنی نہیں کرتے۔ خطرہ ہے کہ جب تم کسی کو جاتے دیکھو تو تم بھی ضائع نہ ہو جاؤ۔ یاد رکھنا تم اللہ کے ہو اللہ ہی کی طرف سے آئے تھے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے سب سے بڑی فکر تو اپنی کرنی چاہئے۔

آنحضرت ﷺ نے جو نماز جنازہ کی دعا سکھائی وہ عجیب ہے **اللھم اغفر لحینا ومیتنا** مرنے والوں کو بعد میں رکھا ہے زندہ کو پہلے کر دیا۔ فرمایا مرنے والے کی اب تم کیا فکر کرو گے وہ تو چلا گیا ہاتھ سے۔ سب سے زیادہ ضرورت ہے زندوں کی بخشش کی دعا مانگو کہ وہ مرنے سے پہلے بخشے جا چکے ہوں۔ مرنے کے بعد دعائیں بھی کام آتی ہیں مگر وہ دعا جو زندگی میں کسی کو بخشوا دے اس سے بڑھ کر اور کوئی دعا نہیں ہوسکتی اور پھر غائب سے پہلے شاہد کو کر دیا **وشاھدنا وغائبنا** مرنے والے غائب ہوگئے ہیں لیکن جو موجود ہیں ان کی فکر کرو کہ اللہ ان کو صحیح حال پر قائم رکھے یہاں تک کہ جب وہ مر رہے ہوں تو ایمان پر جان دینے والے ہوں۔ پس آنحضرت ﷺ کی دعائیں بھی قرآنی

تعلیم کے رنگ ہی میں رنگی ہوئی ہیں۔کہیں بھی آپ ان میں کوئی قرآن سے فرق نہیں دیکھیں گے۔ان کے اندر قرآن ہی کا رنگ ہے جو مختلف صورتوں میں دکھائی دیتا ہے اور ایک ادنیٰ بھی کہیں آپ تضاد نہیں دیکھیں گے آنحضرت ﷺ کی دعاؤں میں اور قرآنی تعلیمات میں بلکہ جوں جوں آپ غور کرتے چلے جائیں گے آپ حیران ہوتے چلے جائیں گے بلکہ حیرت کے سمندر میں غرق ہو جائیں گے کہ کتنی تفصیل کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی سوچیں قرآن کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں ایک ادنیٰ بھی کہیں اختلاف یا فرق دکھائی نہیں دے گا، ایک ہی کائنات ہے۔

پس اس پہلو سے آنحضرت ﷺ کی نصائح پر بھی غور کریں تو یہی مضمون ہے جو میں بیان کررہا ہوں۔ثبات دنیا کا مضمون بھی اسی طرح دکھائی دیتا ہے جیسا کہ قرآن پیش فرماتا ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کی نصائح پر غور کرنے ہی سے حقیقت میں قرآن کا مضمون کھلتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے تفصیل سے بیان کردیا ہے۔تفصیل سے بیان کردیا ہے مگر ان کے لئے جو یَتَفَکَّرُوْنَ (النحل:12) اس پر بھی تو غور کرو۔مضمون تو کھلا کھلا ہے لیکن لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ایسی قوم کے لئے جو فکر کرتی ہے اور ایسی کھلی بات نہیں ہے کہ ہر جاہل عالم کو برابر یکساں اچانک سمجھ آجائے گی۔ایسی بات جو سب کو برابر سمجھ آئے وہ سطحی ہوا کرتی ہے اور قرآن کریم سطحی باتیں بیان نہیں کرتا۔ایسی باتیں جو قرآنی حقائق ہیں جب وہ کھلی کھلی بھی ہوں تو ان میں گہرائی ہوتی ہے اس لئے اس کی سطح دکھائی دینے کی یہ مراد نہیں کہ آپ کو سب کچھ دکھائی دے گیا۔مراد یہ ہے کہ سطح دیکھو گے تو پھر نیچے ڈوبو گے پھر اور نیچے، پھر اور نیچے تمہیں تہہ بہ تہہ حقائق کی تہیں دکھائی دیں گی اور ہر اس تہہ میں مزید تم حقائق اور ہدایات کے موتی پاؤ گے ان کے جواہر جڑے ہوئے ہوں گے۔بے شمار مفادات ہیں جو قرآن کریم کی تہوں سے وابستہ ہیں جو اس کے بطن میں درجہ بدرجہ نیچے ڈوبنے سے دکھائی دیتی ہیں یا نظر آتی ہیں۔تو آنحضرت ﷺ کی نصائح کے ذریعے ہی ہم اس مضمون کو سمجھ رہے ہیں اور سمجھتے ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسی مضمون پر مختلف رنگ میں روشنی ڈالی کہ بے ثباتی کے ساتھ، وہ دنیا جو بے ثبات ہے اس سے ایسا تعلق نہ جوڑ بیٹھو کہ تمہارے لئے دین و دنیا دونوں میں نقصان کا موجب ہو اور جب وقت آئے تو تم یہ دیکھو کہ تمہارا وجود کل بھی کسی فائدے کا نہیں تھا لمبی زندگی تم نے فائدے میں گزارنی ہو یہ تو اور مضمون ہے۔جا ایسی حالت میں رہے ہو کہ تمہارے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔ساری سرسبزی جو ہے وہ پاؤں تلے روندے جانے

والے بھوسے میں تبدیل ہو چکی ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں، میں آپؑ کے اقتباسات میں سے چند آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

سب سے پہلے تو آنحضرت ﷺ کی ایک نصیحت جو حضرت ابن عمرؓ کو آپؐ نے کی۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں عنہما عمر پر بھی اللہ کی رحمت ہو ان کے بیٹے پر بھی اللہ کی رحمت۔آنحضرت ﷺ نے میرے کندھوں کو پکڑا اور فرمایا تو دنیا میں ایسا بن گویا تو پردیسی ہے یا راہ گزر مسافر ہے۔پردیسی جو ہے وہ بے چارہ بے اختیار ہوتا ہے اس کا بھی کوئی اختیار نہیں۔راہ گزر مسافر کی بھی یہی کیفیت ہے وہ اپنی ملکیت میں نہیں پھر رہا ہوتا۔پردیسی سے مراد ہے اس کے وطن کے حقوق نہیں ہیں وہ کسی اور وطن میں ہے۔مسافر سے مراد یہ ہے وہ چلتا پھرتا ہے لیکن کہیں بھی اس کا قیام نہیں ہے وہ کسی جگہ کو اپنا بنا کے وہاں ٹھہر نہیں سکتا۔تو دنیا کی بے ثباتی کا یہ نقشہ آنحضرت ﷺ نے کھینچا اور ایک چھوٹی عمر کے بچے کو کندھے سے پکڑ کر بتایا کہ ساری زندگی اسی طرح رہنا۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس تعلق میں فرماتے ہیں یعنی ایک یہ روایت ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق جو یوں درج ہے کہ

> ''ایک معزز خاندانی ہندو دیوان صاحب جو صرف حضرتؑ کی ملاقات کے واسطے قادیان آئے تھے قبل نماز ظہر آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خواہش ظاہر کی کہ ان کو کچھ نصیحت کی جائے۔حضرت نے فرمایا ہر ایک شخص کا ہمدردی کا رنگ جدا ہوتا ہے۔(ہر ایک شخص کی ہمدردی کا رنگ جدا ہوتا ہے اور آگے جو رنگ ہے وہ بتا رہا ہے کہ یہ کون شخص ہے جس کی ہمدردی کا یہ رنگ ہے۔) اگر آپ ڈاکٹر کے پاس جائیں تو وہ آپ کے ساتھ یہی ہمدردی کر سکتا ہے کہ آپ کی کسی بیماری کا علاج کرے اور اگر آپ حاکم کے پاس جائیں تو اس کی ہمدردی یہ ہے کہ کسی ظالم کے ظلم سے بچائے۔ایسا ہی ہر ایک کی ہمدردی کا رنگ جدا ہے۔ہماری طرف سے ہمدردی یہ ہے کہ ہم آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ دنیا روزے چند ہے اگر یہ خیال دل میں پختہ ہو جائے تو تمام جھوٹی خوشیاں پامال ہو جاتی''

''تمام جھوٹی خوشیاں پامال ہو جاتی'' کیونکہ جس کو یہ پتا ہو کہ یہ جو میں نے سب کچھ حاصل

کیا ہے کسی وقت مجھ سے جدا ہوسکتی ہے۔ یہ دولت یا وہ بچے یا عزیز جو مجھے پیارے ہیں کسی وقت یہ مجھ سے جدا ہوسکتے ہیں یا میں ان سے جدا ہوسکتا ہوں تو اس کوتو ہر وقت کا دھڑ کا لگ جائے گا اور جتنا زیادہ وہ اگلی دنیا کے خیال سے غافل ہوگا اتنا ہی یہ دھڑ کا شدید اور ظالم دھڑ کا ہو جائے گا۔ بعض لوگوں کو جب یہ وہم پیدا ہوجائے کہ ہمارے بچے نہ مر جائیں تو ان کی اپنی زندگی موت کا شکار ہو جاتی ہے۔ کئی عورتیں جن کی بیماریاں جو اپنے علاج کے لئے کئی دفعہ ملتی ہیں یا خط لکھتی ہیں ان میں ایک یہ بھی بیماری ان میں زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ وہ کہتی ہیں ہمیں یہ ڈر ہے کہ ہمارا خاوند واپس ہی نہ آئے شاید۔ ہمارا بچہ نہ مرجائے ، اب سکول گیا ہے تو پتا نہیں اس پہ کیا آفت ٹوٹ گئی ہے اور اس وہم میں جو حقیقت بھی بنا نہیں ، ہوسکتا ہے اس کی ساری زندگی کبھی بھی نہ بنے ، اس میں وہ اپنی زندگی کی موجود حقیقتوں کو ذبح کر دیتی ہے اور نہایت وحشت کی حالت میں زندگی بسر کرتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ یہ دیکھو میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اگر یہ خیال دل میں پختہ ہوجائے تو تمام جھوٹی خوشیاں پامال ہوجاتی ہیں ۔اب آپ دیکھیں ’’جھوٹی خوشیاں‘‘ کیسا فرمایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبارت کا ایک ایک لفظ ایک ایسا قیمتی موتی ہے جسے وہاں سے اکھاڑا نہیں جاسکتا اس کی جگہ تبدیل نہیں کی جاسکتی ۔ایک عام آدمی کہتا ہے خوشیاں برباد کر دیتا ہے تو پھر اچھی نصیحت کر رہے ہو۔ جو خوشیاں ہیں وہ بھی گئیں ساری کی ساری۔ فرماتے ہیں جھوٹی خوشیاں پامال کر دیتا ہے یہ خیال **’’اور غیر اس کے جھوٹ سارا‘‘** یہ مضمون ہے جو اس ایک لفظ میں بیان فرما دیا۔ فرماتے ہیں سچی خوشیاں بھی ہیں ۔ یہ خیال سچی خوشیاں کو تقویت بخشتا ہے اور جھوٹی خوشیوں کو پاؤں تلے پامال کر دیتا ہے اور انسان خدا تعالیٰ کی طرف اپنا دل لگا تا ہے۔

یہ جو نصیحت تھی اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس معزز ہندو دیوان کو سمجھ آئی یا نہ آئی لیکن اس کے حالات دیکھتے ہوئے غالباً اس سے بہتر نصیحت اس کو کی نہیں جاسکتی تھی ۔ایک ہندو دیوان ہی صاحب حیثیت انسان تھا کیونکہ ہندو دیوان بڑے معزز لوگ تھے دنیا کے لحاظ سے بھی اور مال و دولت کے لحاظ سے بھی ، رعب اور مرتبہ کے لحاظ سے بھی۔ تو فرمایا کہ یہ دنیا کی چند دن کی باتیں ہیں تم اپنے اثر رسوخ کو ظلم میں استعمال نہ کرنا۔ اپنی دولت کا بے جا استعمال نہ کرنا ، اس کا بے محل استعمال نہ کرنا ورنہ تم جھوٹی خوشیوں میں رہو گے۔ تم سمجھتے رہو گے کہ تم بڑی چیز ہو لیکن جب وقت آئے گا تو کچھ بھی نہیں نکلو گے۔ پس یہ وہ نصیحت

ہے جو صرف ایک دیوان کے نہیں سب دنیا کے دیوانوں کے اور فرزانوں کے کام برابر آتی ہے اس سے اعلیٰ نصیحت ہو نہیں سکتی کہ انسان دنیا کی ناپائیداری کا خیال کرے۔ فرماتے ہیں

”۔۔۔ لمبے منصوبے اور ناجائز کارروائیاں انسان اسی واسطے کرتا ہے کہ اس کو معلوم نہیں کہ زندگی کے ایام کتنے ہیں۔ جب انسان جان لیتا ہے کہ موت اس کے آگے کھڑی ہے تو پھر وہ گناہ کے کاموں سے رک جاتا ہے خدا رسیدہ لوگوں کو ہر روز اپنے اور اپنے دوستوں کے متعلق معلوم ہوتا رہتا ہے کہ ان کے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے۔۔۔“

وہ گردوپیش سے دیکھ کر اپنی فکر کرتے ہیں یہی بات ہے جو میں نے اِنَّا لِلّٰہِ کی تشریح میں آپ کے سامنے رکھی تھی کہ جب کوئی جایا کرے تو اپنی فکر کیا کرو اس سے بہت بڑھ کر تمہاری توجہ اپنے ضمیر کی طرف پھرنی چاہئے کہ ہم بھی تو اسی طرح نکل جائیں گے تو ہمارا کیا بنے گا اور جانا وہاں ہے جس کی سرکار میں جواب دہی ہے جس کے سوالوں سے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ فرماتے ہیں وہ رک جاتا ہے اور خدا رسیدہ لوگوں کو گردوپیش کو دیکھ کر پتا چلتا ہے کہ ہمارے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے

”۔۔۔اس واسطے وہ دنیا کی باتوں پر خوش نہیں ہو سکتے اور نہ ان پر تسلی پکڑ سکتے ہیں۔۔۔“

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ:39-40)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام طاعون کی مثال دیتے ہیں یہ اس زمانے کی بات ہے جب کہ طاعون عام تھی غالباً یہ پھر 1900ء کے بعد بیسویں صدی کے آغاز کی بات ہوگی۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”۔۔۔ یاد رکھو کہ زبان سے خدا کبھی راضی نہیں ہوتا اور بغیر ایک موت کے کوئی اس کے نزدیک زندہ نہیں ہوتا۔۔۔“

یہ جو دوسرا پہلو ہے اس کے متعلق پہلے بھی میں نے متوجہ کیا ہے جماعت کو مگر اب پھر میں عرض کرتا ہوں کہ صوفی جو کہتے ہیں کہ مر جاؤ پہلے اس سے کہ تم مار دیئے جاؤ۔ یہ جس رنگ میں انسان سمجھتا ہے اس سے ڈر جاتا ہے اور خوف زدہ ہوتا ہے میں کیسے مر جاؤں اور زندہ رہتے ہوئے بھی اپنے پر ایک موت قبول کرلوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مضمون کو بڑی حکمت اور پیار کے ساتھ سمجھاتے ہیں فرماتے ہیں:

''۔۔۔ یاد رکھو زبان سے خدا کبھی راضی نہیں ہوتا اور بغیر ایک موت کے کوئی اس کے نزدیک زندہ نہیں ہوتا۔ **جس قدر اہل اللہ ہوتے ہیں سب ایک موت قبول کرتے ہیں** اور جب خدا ان کو قبول کرتا ہے تو زمین پر بھی ان کی قبولیت ہوتی ہے۔۔۔''

یہ کہہ کر وہ لوگ جو اپنے رشتوں، اپنے اثر رسوخ کے تعلقات کو توڑنے سے گھبراتے ہیں ان کو تسلی بھی دیدی کہ جس موت کی ہم بات کرتے ہیں وہ ایسی خوفناک چیز نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو کہ انسان سب دنیا سے کٹ جائے سب دنیا کے تعلقات توڑ دے۔ اللہ تعالیٰ موت کو قبول کرتے ہی وہ نئی زندگی ضرور بخشتا ہے جو مادی موت سے بھی متعلق ہے اور مرنے کے بعد اسے مردہ نہیں رہنے دیتا۔

جس خدا کا یہ قانون ہے کہ ہر مردے کو جی اٹھائے گا دوبارہ اٹھالے گا وہ اس دنیا میں بھی تم سے یہی سلوک کرے گا اس لئے موت سے ڈرتے کیوں ہو۔ مرکر دیکھو پھر تمہیں پتا چلے گا کہ تمہارے مراتب، تمہارے دوستیوں کے تعلقات، تمہارے اردگرد ماحول پر جو تمہیں شان وشوکت نصیب ہوئی تھی اس پر بھی موت آجائے گی۔ وہ ایسی حقیر اور بے معنی چیزیں دکھائی دیں گی کہ جو چیزیں خدا تمہیں دے گا ان کے مقابل پر ان کی کوئی حیثیت دکھائی نہیں دے گی کیونکہ فرماتے ہیں

> ''جب خدا ان کو قبول کرتا ہے تو زمین پر بھی ان کی قبولیت ہوتی ہے۔ پہلے خدا تعالیٰ خاص فرشتوں کو اطلاع دیتا ہے کہ فلاں بندے سے میں محبت کرتا ہوں اور وہ سب اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں حتیٰ کہ اس کی محبت زمین کے پاک دلوں میں ڈالی جاتی ہے اور وہ اسے قبول کرتے ہیں جب تک ان لوگوں میں سے کوئی نہیں بنتا تب تک وہ پیتل اور تانبا ہے اور اس قابل نہیں کہ اس کی قدر کی جاوے'' (ملفوظات جلد سوم صفحہ: 620)

پس موت کا جو تصور ہے وہ بڑا بھیانک ہے مگر اس تصور کے بھیانک پن میں کمی تب آتی ہے اگر جی اٹھنے کا مضمون ساتھ باندھا جائے اور جی اٹھنے کا جو مضمون ہے وہ مرنے کے بعد ہی انسان مشاہدہ نہیں کرتا اس دنیا میں دیکھ سکتا ہے۔ اس لئے جب میں آپ کو جی اٹھنے کی طرف توجہ دلاتا ہوں یعنی دوبارہ زندہ ہوجانے کی طرف، مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نئی زندگی عطا کرنے کی بات کرتا ہوں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ حوالہ اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ آپؑ نے

اس کا ایک قطعی ثبوت ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔فرمایا جتنے خدا کے بنے ہیں ان کو دیکھو وہ خدا کے لئے مر گئے تھے اور کوئی بھی ایسا نہیں رہا جسے مردہ حالت میں خدا نے چھوڑ دیا ہو اسی دنیا میں ان کو ایسی عزت، ایسی زندگی کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں کہ جو اس نئے دور کے ساتھ اپنے پرانے دور کا موازنہ کر کے دیکھیں تو ان کو اپنی جو خود قبول کی ہوئی موت ہے وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں ایک حقیر قربانی دکھائی دے گی۔وہ اس لئے کہ جو پہلے کی زندگی تھی اس کی نعمتیں جو انہوں نے چھوڑی تھیں ان نعمتوں کے مقابل کچھ بھی نہیں جو خدا نے ان کو عطا کر دی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے تجربے سے یہی مضمون بیان فرماتے ہیں کہ:

اک قطرہ اس کے فضل نے دریا بنا دیا
میں خاک تھا اسی نے ثریا بنا دیا　(درثمین:117)

وہ کیا خاک تھی، وہ قطرہ کیا تھا؟ وہ وہ قربانیاں تھیں وہ پہلے کی زندگی تھی جسے آپ نے خدا کی خاطر مٹی میں ملا دیا۔اسے خود اپنے ہاتھوں سے خدا کی راہ میں قربان کرتے ہوئے گویا دنیا کی زندگی کے ذرائع سے اپنا تعلق قطع کر لیا۔دنیا کی زندگی کے ذرائع میں دو ہی چیزیں ہیں پانی اور مٹی۔فرمایا کہ جو کچھ میں نے خدا کی راہ میں قربان کیا وہ پانی کا ایک قطرہ اور تھوڑی سی مٹی تھی اس کے سوا کوئی حیثیت نہیں تھی مگر:

اک قطرہ اس کے فضل نے دریا بنا دیا
میں خاک تھا اسی نے ثریا بنا دیا

اب دیکھیں کل عالم میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خدا نے کیسا بلند فرمایا ہے۔زمین کے کنارے گونج اٹھے ہیں اس نام سے اور یہ ذکر بڑھتا چلا جاتا ہے اور پھیلتا چلا جاتا ہے۔وہ خاک کی مٹھی جو آپ کہتے ہیں میں تھا اس نے تو کل عالم بننا ہی بننا ہے۔کوئی دنیا کی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔وہ قطرہ جو آپ تھے جب اسے خدا کی راہ میں قربان کیا تو وہ ساری دنیا کے لئے زندگی بخش پانی بن رہا ہے اور بنتا چلا جائے گا۔پس یہ حقائق ہیں جو آپ کے سامنے رکھے جارہے ہیں کوئی فرضی قصے نہیں ہیں جن کی بناء پر آپ کو اصلاح احوال کی طرف متوجہ کر رہا ہوں۔اللہ تعالیٰ ان کو سمجھنے کی اور ان پر عمل پیرا ہونے کی اور ان سے استفادے کی ہمیں توفیق بخشے۔آمین